کلامِ غالب میں رنگِ تصوف

ڈاکٹر رشید احمد *

خلاصہ: مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کا 'حیوانِ ظریف شخصیت' کیحامل ہونے کے بارے میں اردوداں حضرات وخواتین میں سے ہرایک کم وبیش جانتے ہیں۔ان کے کلام میں ہرکہیں ظرافت ملتی ہے، جس وجہ سے انہیں 'حیوانِ ظریف' کا لقب بھی ملا ہے۔لیکن ان کے کلام میں جو رنگ تصوف ہے وہ بہت کم آدمی ہی خیال کرتے ہوں گے۔حالانکہ ان کی ظریفانہ باتوں میں بھی بسااوقات صاف رنگ تصوف جھلکتا نظر آتا ہے، اگر چہ غالب کوئی صوفی بندہ نہیں تھے۔لیکن وہ اپنے آس پاس کے صوفیانہ ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔چنانچہ اس مقالہ سے میرا مقصد کلامِ غالب کے صوفیانہ رنگ کی باتوں کواجاگر کرنا، تاکہ صوفیانہ ذوق کے حاملین اردوداں حضرات اس سے بہرور اور محظوظ ہوسکیں۔غرض انسانیت سوز موجودہ عالمی ماحول کے پیشِ نظر مذکورہ مقالہ کے حوالے سےمرزا صاحب کے صوفیانہ رنگ کی باتوں کا تذکرہ میرے خیال میں ان شاءاللہ ایک مفیدِ انسانیت اقدام ثابت ہوگا، مظلوم عالم انسانیت پر ظلم ستم کے بجائے رحم وکرم فرمائی کی یاد کچھ نہ کچھ تازہ ہوگی۔ ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ تمام تر صوفیانہ افکار کا مقصدِ حقیقی سماج میں انسانیت کا قیام ہے۔انسانی افادیت اور بہبودی ہی کے لئے درحقیقت صوفی حضرات اپنے آپ کو وقف کردیتے تھے۔نقلی صوفیوں کی بات الگ، وہ تو دنیائے دوں کے غلام اور حیوان جیسےشہوت بطن کے تابعدار ہوتے ہیں، وہ اپنی ہی خواہشات کیدرپے مارے مارے پھرتے ہیں، انسانیت سے ان کا کیا مطلب! چنانچہ برصغیر کے بڑے بڑے صوفیوں کی زندگی اسی بات کا شاہد ہے، جن میں خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت شاہ جلال یمنیؒ وغیرہ کے نام بہت ہی مشہور ہیں۔

---

* ایسوسیئٹ پروفیسر اور چیئرمین، شعبۂ اردو، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش

الغرض مقالہٗ ہٰذا میں غالب کی صوفیانہ باتوں کوان کے کلام کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غالب کی پیدائش ۲۷۔۱۲۔۱۷۹۷ء میں آگرہ میں ہوئی جبکہ وفات ۱۵۔۲۔۱۸۶۹ء میں دہلی میں ہوئی اورمرحوم دہلی ہی میں 'تھانہ مرکز نظام الدین' کے پاس مدفون ہوئے ا۔ پانچ سال کی عمر میں والد ماجد عبد اللہ بیگ کا انتقال ہوگیا۔اس کے چار سال بعد ہی ان کا دوسرا ولی اورذمہ دار چچا نصراللہ بیگ بھی انتقال کرگئے۔اسی بے کسی کے عالم میں وہ پلتے رہے۔چنانچہ بڑوں کے سلسلہ میں (خواہ دنیا کے بڑے ہوں یا آخرت کے) عام طور پر یہی سنت اللہ جاری رہی۔اسلام کے پیارے نبی بھی یتیم ہی تھے۔بڑی بڑی شخصیتوں کی زندگی کی یہی صورت حال ہے۔

غالب کی تعلیم ان کی نانھیال میں شروع ہوئی۔جہاں مولوی محمد معظم صاحب سے انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ایک ایرانی استاذ سے بھی دوسال تک حصول تعلیم سے مستفید ہوتے رہے۔

غالب کی عمر جب ۱۳سال کی تھی اسی عمر میں ان کی شادی جناب الٰہی بخش نامی ایک معزز شخص کی بیٹی امراؤ بیگم سے مورخہ ۹۔۸۔۱۸۱۰ء کوہوئی ا۔شادی کے بعد غالب آگرہ سے دہلی مستقل طور پر چلے آئے اور گلی قاسم جان اورحبش خان کے آس پاس قیام پذیر ہوئے۔غالب نے نہ کبھی مکان بنوایا اور نہ ہی خریدا۔حتیٰ کہ کتابیں بھی کرایہ پر ہی لیتے تھے۔موصوف صوفی تو نہیں تھے لیکن شانِ تصوف لئے ہوئے تھے،فرماتے ہیں:

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے ۲

کلام میں رنگ تصوف کی آمد

غالب کے سُسر محترم جناب الٰہی بخش ایک صوفی مَنش شاعر تھے۔چنانچہ ان کی صحبت سے غالب نے شاعری کی اصلاح کے ساتھ ساتھ صوفیانہ افکار سے بھی روشناس ہوئے۔اسی صحبت کا اثر ہے کہ جس سے

غالب نے اپنا وہ مشہور شعر کہا ہے جو اردو داں حضرات کے عوام و خواص میں سے تقریباً ہر ایک کا زبان زد ہے، چنانچہ وہ شعر یہ ہے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا ۳

اس جیسی باتیں اسلام کا پہلا خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کی ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت ابو بکر ایک تنکا ہاتھ میں لئے ہوئے فرمارہے تھے کہ ابو بکر اگر اس جیسا تنکا ہوتا اور اس کو کوئی جانور کھا جاتا تو یہی بہتر تھا، حساب کتاب کی کچھ فکر نہ ہوتی، یہ فرمارہے تھے اور رو رہے تھے۔ غالب کے دل میں بھی یہ شعر کہتے ہوئے اس جیسی باتیں چھپی ہوئی ہوگی۔

غالبؔ نے چالیس سال کی عمر میں کلکتہ کا سفر کیا۔ واپسی کے دوران لکھنو، الٰہ آباد اور بنارس میں ٹھہرے۔ غالب بڑے خوددار واقع ہوئے تھے۔ اپنی عزت نفس کی حفاظت کی خاطر انہوں نے ملازمت ترک کردی۔ غالب ایک زمانہ میں شطرنج اور چوسر بھی کھیلتے تھے، اس وجہ سے انہیں جیل میں بھی جانا پڑا۔ اس کے بعد ایک زمانہ غالب دہلی کے مشہور و معروف صوفی شاعر حضرت کالےؔ صاحب کے یہاں رہے، جو مشہورِ زمانہ شیخ فخر الدین کے پوتے اور بہادر شاہ ظفر کے شیخ تھے۔ شاہ ظفر ہی نے مرزا صاحب کو نجم الدولہ دبیر الملک نظامِ جنگ کے لقب سے نوازا تھا۔ شعر و شاعری میں حضرتِ ابراہیم ذوقؔ بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر نے مرزا غالب کو اپنا استاد مان لیا تھا۔ ۴

غالب دراصل کوئی صوفی شاعر نہیں تھے، وہ طبعاً ایک فلسفی شاعر تھے۔ انہیں اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔ ساتھ وہ 'حیوان ظریف' بھی تھے جو ان کی فلسفیانہ شان سے کچھ بعید سا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب نے اپنی ساری زندگی رنج و غم میں گزاری، جس کی بہت سی وجوہ تھیں۔ مثلاً بچپن میں والد صاحب کا انتقال، آٹھ/نو سال کی عمر میں چچا کا انتقال، پھر جوان بھائی کا پاگل ہوکر فوت ہوجانا، خود مرزا صاحب کے یہاں سات بچے پیدا ہوئے تھے مگر ایک بھی نہ بچا، جوانی ہی میں سب فوت ہوگئے تھے، پھر اپنی بیوی کے بھانجے زین العابدین کا انتقال ہوگیا تھا تو ان کے چھوٹے دو بچوں کو غالب نے پالا پوسا، مگر

وہ دونوں بھی جوانی ہی میں گذر گئے۔اس طرح غالب کی زندگی رنج وغم کی مرقع تھی۔۵ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے غم کو غلط کرنے کے لئے ہنسی، بذلہ سنجی اور ظرافت کا سہارا لیا اور خوش طبعی کی باتوں سے اپنے کلام کو بھر دیا، اور سخت سے سخت حالت میں بھی اپنی ظرافت اور بذل سنجی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، اور اسی وجہ سے وہ 'حیوانِ ظریف' تک قرار پائے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں غالب کے سُسَر محترم جناب الٰہی بخش کا انتقال ہوگیا اور اسی سال ان کے بڑے بھائی جناب مرزا یوسف خاں جو ایام شباب میں پاگل ہو گئے تھے اس دار فانی سے دارِ بقاء کو چل بسے۔ خیر وشر کا مجموعہ اس زندگی میں غالب کو دوسری پریشانیوں کے ساتھ ساتھ تنگ دستی سے بھی دوچار ہونا پڑا۔اس جیسی سنگین حالت میں اپنے ایک قریبی شناسا میر مہدی کو ایک خط میں وہ یوں لکھتے ہیں:

میاں بے رزق جینے کا ڈھنگ آ گیا ہے، اس طرف سے خاطر جمع رکھنا، رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا، آگے خدا رازق ہے، کچھ اور کھانے کا نہ ملا تو غم تو ہے۔ ۶

مرزا کا طریق اظہار دیکھئے! سخت پریشانیوں کی حالت میں بذلہ سنجی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔اسی طرح آپ بذلہ سنجی کی آڑ میں کبھی حقیقت بیانی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔اور اسی وجہ سے ان کا کلام صوفیانہ افکار کا بھی حامل ہے۔اور صوفیانہ افکار تو انسان کو اس دنیائے دوں کی مجازی زندگی سے آخرت کی حقیقی زندگی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

غالب کے صوفیانہ افکار

غالب کے صوفیانہ افکار کے بیان سے پہلے یہاں تصوف کے معنیٰ ومفہوم کو بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔تصوف کا مادہ لفظِ صفاء بمعنیٰ پاکی یا صُوف بمعنیٰ اُون کو کہا گیا ہے، ان میں سے جسے بھی مادہ کے طور پر مان لیں، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ واضح الفاظ میں تصوف کے معنی ہیں سیدھے سادے اور پاک طبع و پاک باطن ہونا۔ اخلاق رذیلہ کو ترک کر کے پاکیزگی اختیار کرنا اور اخلاق حسنہ کو اپنا کر اپنے

آپ کوسنوارنا۔اور عام طور پر بڑے بڑے اخلاق رذیلہ دس بتائے جاتیہیں ،جن کا مجموعہ یہ ہے:

اَمل وبخل وغضب و دروغ وغیبت

عجب وحسد وریا و کبر و کینہ ۷

اور بڑے بڑے اخلاق حمیدہ بھی قریب دس بتائے جاتے ہیں اوروہ یہ ہیں:

حب وشکر، صبروقناعت، علم و یقیں

تفویض وتوکل و رضا وتسلیم ۸

ان اوصاف میں سے بہت سےخطرناک اوصاف یعنی اوصافِ رذیلہ اور بہت سے اہم اہم اوصافِ حمیدہ کا ذکر کلام غالب میں موجود ہے۔جیسا کہ حرص ہے، جونہایت برا وصف ہے۔ یہ دراصل کتے کی صفت ہے، حالانکہ اکثر انسان اس کو لیے پھرتیہیں ۔اس بارے میں حدیثِ رسولِ عربی یوں وارد ہوئی ہے کہ "حب الدنیا رأس کل خطیۃ "یعنی دنیا کی حرص ومحبت سب گناہوں کا سر اور جڑ ہے۔جس سے ہر اچھا انسان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔غرض آس وہوس بلفظ دیگر ہوئ وخواہش پوری کرنے کی جگہ دنیانہیں ہے، یہاں کوئی بھی انسان کتنا ہی صاحب اقتدار اور اہل مال وثروت ہو، اس کی سب خواہشیں پوری نہیں کرسکتیں، یہی حقیقت مسلمہ ہے۔لیکن انسان پھر بھی اپنی خواہشوں کے پیچھے گھومتا رہتا ہےاور اپنی بے بہا زندگی کو برباد کئے جاتا ہے۔انسانیت کواس غلط رہروی سے لوٹانے کے لئے غالب اپنے خاص انداز بیان یعنی بذلہ سنجی کے ساتھ یوں فرماتے ہیں:

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے

کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے

کہتے ہیں، کہیں خدا سے اللہ اللہ

وہ آپ ہیں صبح وشام کرنے والے۹

انسان کی دنیوی زندگی آنی اورفانی ہے،یعنی یہ زندگی ناپائدار ہےاور ہلاک ہونے والی ہے۔انسان کو جب اس بات کا دھیان ہوتا ہےتو اس زندگی صحیح راستے پر چلتی ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جوکوئی

مسلمان روزانہ بیس مرتبہ موت کی یاد کرتے ہوئے اچھی موت کی فکر کرے گا اس کو ضرور شہادت کا مرتبہ ملے گا*۔موت کی یاد دہانی کرتے ہوئے غالب کہتے ہیں:

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے
ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے ۱۰

چونکہ غالب دماغ کے بہت تیز واقع ہوئے تھے اور بڑے دور اندیش تھے۔موت کے بعد عالم برزخ اور آخرت کی جزا وسزا کا اعتقاد رکھتے تھے۔" گناہ کی باتوں کو سماج میں پھیلانا بہت بری بات ہے" یہ غالب اچھی طرح جانتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنی شراب خوری کو کبھی بڑھاوا نہیں دیا بلکہ وہ خود کو مذاق بناتے تھیاور اقرار معصیت کے ساتھ اپنے ہی کو کوستے تھے۔وہ ہمیشہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ خلاف شرع جو بات وہ کرتے ہیں وہ غلط ہے۔توبہ نہ کرنے سے اس کی سزا ہوگی۔ جیسے وہ کہتے ہیں:

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ توبادہ خوار ہوتا۱۱

غالب عقیدۂ توحید کے حامل تھے، وہ خدائے وحدہ لاشریک لہ پر پکا ایمان رکھتے تھے اور ان کو ازلی وابدی جانتے تھے۔چنانچہ ان کے ذیل کا مشہور شعر ان کی اسی فکر کا نمائندہ ہے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا۱۲

اس شعر سے غالب کے وجودی فکر کے حامل ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ البتہ یہ جو وجودی اور شہودی کا اختلاف ہے اہل السنہ والجماعہ کے مطابق یہ فقط لفظی اختلاف ہے، حقیقت میں کچھ نہیں۔ ایک نے اصل یعنی مبدأ حقیقی اور اس کیظہور یعنی مخلوقات کو، جو کہ اپنے خالق پر دال ہیں، الگ کر کے دیکھا تو وحدۃ الشہود کہہ دیا، دوسرے نے مبدأ حقیقی کو صرف دیکھا اور مخلوق کو دھیان میں نہ لایا تو وحدۃ الوجود کہہ دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دوسرے چند اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ غالب وجودی نہیں ہیں بلکہ شہودی ہیں۔ فرماتے ہیں:

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ وعشوہ و ادا کیا ہے
شکن زلف عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟[۱۳]

یعنی یہ سارے خدائے وحدہ کے کرشمے ان کے خلائق ہیں جو اپنے غائب الوجود خالق پر دلالت کرتے ہیں۔

تلقین اخلاص وتصحیح نیت کرتے ہوئے اپنے قارئین سے غالب فرماتے ہیں:

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت[۱۴]

مولانا الطاف حسین حالؔی اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب تک بہشت قائم ہے لوگ عبادت اس امید پر کرتے ہیں کہ وہاں شہد اور شراب وغیرہ ملے گی۔ پس بہشت کو دوزخ میں جھونک دینا چاہئے تا کہ یہ لالچ باقی نہ رہے اور لوگ خالصتاً لوجہ اللہ عبادت کیا کریں۔

تصوف کی اصل حقیقت ہے انسان کو انسان بننا، اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے سعیِ پیہم ضروری ہے، چنانچہ غالبؔ اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا [۱۵]

جیسا کہ انسانی رشد وہدایت کا اصل منبع قرآن کریم میں بھی انسان کو اپنی کامیابی کے لئے یہی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سعیِ پیہم یعنی لگاتار کوشش میں لگے رہے، چنانچہ خداوند قدوس فرماتے ہیں "انسان کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اس کی کوشش ہی سے ہوتا ہے"۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں "۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کی تبدیل اس وقت تک نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنی حالت کی اصلاح وتبدیلی کی کوشش نہ کرتی۔

غالب کی علم تصوف کے ساتھ دلچسپی کے بارے میں مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

علم تصوف سے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ 'برائے شعر گفتن خوب است' ان کو (یعنی مرزا غالب کو) خاص مناسبت تھی اور حقائق ومعارف کی کتابیں اور رسالے کثرت سے ان کے مطالعے سے گزرے تھے اور سچ پوچھئے تو ان ہی متصوفانہ خیالات نے مرزا کو نہ صرف اپنے ہم عصروں میں بلکہ بارہویں اور تیرہوں صدی (ہجری) کے تمام شعراء میں ممتاز بنا دیا تھا"۔ [۱۶]

حیاتِ غالبؔ کا ایک زمانہ تو وہ تھا بقول حالؔی جب "انہوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں صرف دو چیزیں لے لیں تھیں، ایک توحید وجود اور دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت"۔ [۱۷]

لیکن شامِ زندگی تک آپ بہت آگے بڑھے اور ذکر و شغل بھی شروع کر دیا تھا۔ بقول خود مرزا:-
"لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحد ہوں، ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں یہ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں-

"لا الٰہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" ۱۸

غالب کی فکرِ آخرت

ایک مرتبہ شطرنج کھیل رہے تھے، ایک صاحب نے کسی دوسرے کو سنانے کیلیئے وہاں ذوق کے ذیل کا یہ شعر پڑھ دیا، تو غالب اچانک چونک اٹھے اور ساتھ ساتھ شطرنج چھڑ دی۔ ذوقؔ کا وہ شعر یہ ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے + مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

چنانچہ غالبؔ کے خطوط میں جا بجا اس شعر کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۹

رہی مرزا کی شراب خوری کا معاملہ، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ معاف کر سکتے ہیں۔ اس جیسے ایک واقعہ کا ذکر حدیث پاک میں پایا جاتا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ: ایک شراب خور کو بار بار شراب خوری کے جرم میں حضور پاک کے دربار میں لایا جاتا اور شراب خوری کی سزا میں کوڑے لگائے جاتے تھے، یہ حال دیکھ کر ایک صحابی نے کچھ برا بھلا کہا، یہ سن کر حضور پاک نے فرمایا-اسے برا بھلا نہ کہو! وہ مجھے محبت کرتا ہے۔
سادگی اختیار کرنا صوفیانہ شعار ہے، غالب کی رہائش بالکل سادی تھی، چنانچہ وہ ایک جگہ کہتے ہیں:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے + دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا ۲۰

موت کا دھیان انسانی زندگی کو صحیح راہ پر گامزن رکھتا ہے، غالب خود بھی اس کو لے کے چلتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی اس پر زور دیتے ہیں، کہتے ہیں:

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا-۲۱

غالبؔ قیامت اور تقدیر پر پکا ایمان رکھتے تھے۔ان کے یہاں سات بچے پے در پے، مگر ایک بھی زندہ نہ رہا۔اس لئے دو بچوں کو لے پالک پالتے تھے، چنانچہ ان میں سے ایک بچے کی ناگہانی موت پر غالب ایک نوحیاتی غزل میں لکھتے ہیں:

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں + مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے + کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب +قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۲۲

غالب کا اقرار معاصی، کسر نفسیؔ، اپنے جرم اور غلطی کا احساس یہ سب اونچی اونچی انسانی صفتیں ہیں۔یہی اقرار وانابت اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، یہ انسانی خوبیوں میں سے بہت بڑی خوبیاں ہیں۔غالب کے کلام سے پتہ لگتا ہے کہ غالب کے اندر یہ سب خوبی ان موجود تھیں، کہتے ہیں:

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب + شرم تم کو مگر نہیں آتی
رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے+شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا۲۳

اس جیسا ایک واقعہ کا بیان حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگلے زمانے میں ایک شخص نیا پنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ میری موت کے بعد تم مجھے جلا دینا اور پھر میری خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا، چنانچہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔اس کے بعد اس کی پیشی خدائے پاک کے سامنے ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ اے میرے بندے!تم نے ایسا کیوں کیا؟اس نے جواب دیا کہ اے بار الٰہی! میں نے ایسا آپ کے خوف سے کیا، اس وقت خدائے پاک نے فرمایا جس نے میرے خوف سے ایسا کیا میں نے اس کو معاف کر دیا۔

انسانیت کے ساتھ انسانیت تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے نہ کہ بدظنی، چنانچہ بدظنی بہت ہی خراب چیز ہے۔تمام مذاہب میں یہ منع بھی ہے۔اسلام میں تو اسے 'گناہ' قرار دیا گیا ہے۔۱۱ اس لئے

غالب کے بارے میں ہمارا گمان یہی ہونا چاہئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ضرور معاف کر دے سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ غالب باقاعدہ صوفی تو نہیں تھے، البتہ صوفیانہ خیالات کا حامل تھے، صوفیانہ اوراد و وظائف بھی رکھتے تھے اور صبر و تحمل کا پیکر بھی تھے۔ اور یہ سب انسان کی پاکیزگیٔ نفس کیلئے ضروری چیزیں ہیں۔ جوانی کی امنگ میں بسا اوقات انسان اس کو بھول جاتا ہے، لیکن شامِ زندگی میں دنیا کی سب رنگ رلیوں کے سب تعلقات ڈھیلے پڑنے لگتے ہیں، تب انسان سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور اس وقت اس کو یہی صوفیانہ باتیں کام آتی ہیں۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور ان کی ربوبیت کے اقرار پر غالب کے چند اشعار ذکر کرتے ہوئے بات یہیں ختم کرتا ہوں:

جان دی ، دی ہوئی اس کی تھی + حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
اسے کون دیکھ سکتا ہے یگانہ ہے ہوہ یکتا + جو دوکی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا
محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا + یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
دم واپسیں بر سر راہ ہے + عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے[۲۴]

حواشی وحوالہ جات:

ا۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، چوتھا اڈیشن: ۲۰۱۵ء ص ۹ و ۹۰؛ اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب،، رابعہ بک ہاؤ، اردو بازار، لاہور، بلا سن اشاعت، ص ۳؛ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح دیوان غالب، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۴-۲۵

۲۔ یادگارِ غالب، سابق، ص ۱۷

۳۔ اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب،، رابعہ بک ہاؤس، اردو بازار، لاہور، بلا سن اشاعت، ص ۳۳؛ دیوانِ غالب، ویسٹ بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ، بلا سن اشاعت، ص ۳۸۔

۴۔ یادگارِ غالب، سابق، ص ۱۷۔۱۹ او ۳۱۔

۵۔ یادگارِ غالب، سابق، ص ۳۳۔۳۴

۶۔ خطوط غالب؛ یادگارِ غالب، سابق، ص ۱۰ و ۱۲۔

۷۔ منظومہ من جانب کاتب ومواداز کتب بزرگاں، منہ

۸۔ منظومہ من جانب کاتب ومواداز کتب بزرگاں، منہ

۹۔ غالب، دیوانِ غالب، ویسٹ بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ، بلا سن اشاعت، ص ۱۵۳۔

۱۰۔ سفینۂ غالبؔ، مرتبین محبوب الرحٰمن ابرار رحمانی، پبلی کیشنز ڈویژن، وزارات اطلاعات ونشریات، حکومت ہند، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی۔ ص ۱۵۲-۱۶۱؛ یادگار غالب، سابق، ص ۱۱۱

۱۱۔ دیوانِ غالب، ویسٹ بنگال اردو اکاڈمی، سابق، ص ۲۸۔

۱۲۔ دیوانِ غالب، ویسٹ بنگال اردو اکاڈمی، سابق، ص ۳۸۔

۱۳۔ سید وحید الدین بیخود، مرآۃ الغالب، عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ، سن اشاعت: ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۳-۲۴۴۔

۱۴۔ یادگارِ غالب، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، سابق، ص ۱۱۲۔

۱۵۔ یادگارِ غالب، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، سابق، ص ۱۰۸۔

۱۶۔ مولانا الطاف حسین حالی، یادگار غالب، مطبع فیض عام، علی گڑھ، ص ۵۴

۱۷۔ یادگار غالب سابق

۱۸۔ یادگار غالب، مطبع فیض عام، سابق، ص ۵۴؛ یادگارِ غالب، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، سابق، ص ۴۹

۱۹۔ یادگارِ غالب، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، سابق، ص ۴۷

۲۰۔ مرأۃ الغالب، سابق، ص ۱۸

۲۱۔ مولانا الطاف حسین حالی، یادگار غالب، مطبع فیض عام، علی گڑھ، ص ۴۳؛ یادگارِ غالب، اترپردیش اردو اکادمی، سابق، ص ۱۱۷

۲۲۔ دیوانِ غالب، ویسٹ بنگال اردو اکاڈمی، سابق، ص ۳۷۔

۲۳۔ یادگار غالب، سابق، ص ۱۲۶؛ مرآۃ الغالب، سابق، ص ۲۴۲۔

۲۴۔ یادگار غالب، سابق، ص ۱۲۵، ۱۲۶ و ۹۰۔